فکر اقبال کی تشکیل میں ملائکہ مقربین کے کرداروں کی معنویت

ڈاکٹر انوار الحق

Abstract:

The characters of angel's(Jibrael, Izrael , Israfeel and Rizwan) in the poetry of Iqbal are capable of great virtual importance. Through these supernatural characters, Iqbal has successfully conveyed his thoughts in a very impressive and artistic way. He was against the slavery and he used these characters in his poetry to motivate Muslims and to obtain the virtual goal of freedom. These characters are also the symbols of Islamic values and thoughts. They successfully convey the core subjects of Islamic thoughts. The researcher has shed light on this specific angle of Iqbal's poetry in full detail.

خلاصہ:

علامہ اقبال نے اپنی اُردو نظموں میں اسرافیل ؑ، جبرائیلؑ، عزرائیلؑ اور رضوانؑ جیسے مقرب ترین فرشتوں کے کرداروں کو جدید فکری زاویوں کے تحت استعمال کیا اسی لیے تو انہوں نے اپنی شاعری کو نغمہ جبرئیل ؑ اور بانگِ سرافیلؑ کہا وہ ملتِ اسلامیہ کے افراد کو غلامی کی زنجیریں توڑنے اور حریت کاملہ کے حصول کی تلقین کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ زندگی میں جہد مسلسل کی برکات، زندگی کی ماہیت، شعر کا مقصد اور مومن کی حقیقی تشخص پر بھی بحث کرتے ہیں۔ علامہ کے مطابق حیات خودی کا دوسرا نام ہے اور خودی کا سب سے اہم وظیفہ مادے (زمان ومکاں) کو مسخر کرنا ہے خودی اپنی غذا عشق سے حاصل کرتی ہے اس لیے انسانی زندگی کی ترقی کا حقیقی منبع (مادی) عقل نہیں بلکہ (روحانی) عشق ہے مزید برآں وہ خالص مادیت اور مذہب دشمنی کو انسانیت کے لیے مطلق عذاب گردانتے ہیں تاہم وہ ملتِ اسلامیہ کے افراد کو باالخصوص اور پوری نوع انسانی کو باالعموم نری مادیت سے بچنے اور مذہب کی چھاؤں میں آگے بڑھنے کی بھر پور تلقین کرتے ہیں مذکورہ تمام مباحث کو علامہ نے ملائکہ مقربین کے کرداروں کے پردے میں اپنی اُردو نظموں میں پیش کیا۔

کلیدی الفاظ:

ملائکہ مقربین، مادیت، ملوکیت، جبرئیل ؑ، اسرافیلؑ، عزرائیلؑ، عقل، عشق۔

اسرافیل ؑ اللہ تعالیٰ کا وہ مقرب فرشتہ ہے جس کو اللہ نے غیر معمولی قوت و جبروت کا مالک بنایا، علامہ نے مذکورہ کردار سے (اپنی اُردو نظموں میں) چار مقامات پر خوب کام لیا، اسرافیل ؑ دُنیا میں تبدیلی کا بہت بڑا مظہر ہے، کیوں کہ " عام روایات کے مطابق وہ فرشتہ جو قیامت کے دن دو مرتبہ صور پھونکے گا، پہلی دفعہ صور پھونکنے پر روئے زمیں کے تمام جان دار ختم ہو جائیں گے، دوسری مرتبہ صور پھونکنے پر اگلے پچھلے تمام زندہ ہو جائیں گے اور اپنے اعمال کا حساب دیں گے۔"۔(۱)

علامہ نے اپنی شاعری کونغمہجبریلؑ اور بانگِ اسرافیلؑ کہا اور بجا کہا، کیوں کہ وہ اس دور کے ملتِ اسلامیہ کے محکوم و مظلوم اور مجبور و مقہور افراد میں غلامی اور سامراجیت کے خلاف میدان میں اترنے کا جوش اور ولولہ پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے، یوں تو یہ کوشش اُن کی نظموں میں اوّل تا آخر رُوح کی مانند رواں دواں ہے، لیکن اسرافیلؑ کا کردار مذکورہ بحث کے حوالے سے پہلی دفعہ "ضربِ کلیم" کی نظم " مومن (دُنیا میں)" کے تیسرے شعر میں یوں آیا ہے:

جچتے نہیں کنجشک و حمام اس کی نظر میں
جبریل و سرافیلؑ کا صیّاد ہے مومن
(ضرب کلیم، ص۶۶۷)

علامہ کے مطابق دنیا میں رہتے ہوئے مومن (ملتِ اسلامیہ کے افراد) کنجشک و حمام (سامراج کے دیئے جانے والے عہدوں، خطابات، جاگیروں وغیرہ) کا بھوکا نہیں ہوتا، بلکہ بلند نگاہ، روشن دماغ اور سخنِ دل نواز رکھتے ہوئے وہ جبریلؑ اور اسرافیلؑ (بلند و اعلیٰ مقاصد)کو بطورِ شکار مد نظر رکھتا ہے۔

مردِ مومن کے کمالات کے اِسی سلسلے کو، علامہ نے " ضربِ کلیم " کی نظم " جاوید سے " کے حصہ سوم میں حیران کُن انداز سے توسیع بخشتے ہوئے " سرافیلؑ " کے استعارے میں ندرت آمیز انداز میں شعر نمبر "آٹھ" میں یوں پیش کیا:

تیری دُنیا کا یہ سرافیلؑ
رکھتا نہیں ذوقِ نوازی
(ضرب کلیم: 709)

واقعہ یہ ہے کہ اسلام اور مسلمان دُشمن عناصر نے اسلام اور مسلمانوں دونوں کے خلاف سوچے سمجھے منصوبوں کے تحت خوں ریزی اور انتہا پسندی کے جھوٹے پروپیگنڈے کیے اور یہ افواہیں پھیلائیں کہ مسلمان "شدید انتہا پسند قوم" اور اسلام ایک "خون ریز مذہب" ہے جو ہمیشہ تلوار کے زور سے آیا، لیکن اقبال نے ایک منطقی انداز میں اِن پروپیگنڈوں کا ردّ پیش کرتے ہوئے ایک نپے تلے انداز میں "مومن " کی حقیقی شخصیت اور اُس کی شان واضح کی ہے جو ملتِ اسلامیہ کے افراد کا مورال (MORAL) اُونچا کرنے کے لیے یقیناً بانگِ اسرافیل کا درجہ رکھتا ہے، لیکن اصل مسئلہ یہ ہے کہ ملتِ اسلامیہ اور بالخصوص مسلمانانِ ہند مکمل طور پر ذہنی اور جسمانی طور "افرنگ" کے غلام بن چکے تھے۔اسرافیلؑ کے کردار کے پردے میں علامہ نے " ارمغانِ حجاز " کی نظم " عالمِ برزخ " میں دو مقامات پر غلامی کی قباحتوں پر فکر انگیز انداز میں یوں روشنی ڈالی ہے۔

بانگِ اسرافیل اُن کو زندہ کر سکتی نہیں
رُوح سے تھا زندگی میں بھی تہی جس کا جسد
الحذر محکوم کی میت سے سو بار الحذر
اے اسرافیلؑ! اے خدائے کائنات! اے جانِ پاک!
(ضرب کلیم: ۳۱۷)

مذکورہ نظم " عالمِ برزخ " مُردہ، قبر اور صدائے غیب کے مابین مکالموں پر مشتمل ایک مؤثر تمثیلی نظم ہے، جس کا مجموعی تاثر یہ بنتا ہے کہ " جن لوگوں نے غلامی کی بدولت اپنی خودی کو ذلیل یعنی مردہ کر دیا ہے وہ مر کر دوبارہ زندہ نہیں ہو سکتے (حالاں کہ دوسری بار پھونکا

جانے والا صورِ اسرافیلؑ تمام مُردوں کو زندہ کرنے کے لیے ہوگا)، کیوں کہ غلامی اتنی قبیح چیز ہے کہ "حیات بعد الموت" تک کی صلاحیت کو فنا کر دیتی ہے، یہاں تک کہ زمین (قبر) بھی غلام کی میت سے نفرت کرتی ہے، کیوں کہ "ہمیشہ کی موت" فقط غلاموں کے لیے مخصوص ہے، الغرض غلامی مرگِ دوام کی ایسی شکل ہے جس کو صورِ اسرافیلؑ بھی زندگی سے ہم کنار نہیں کر سکتی، اِسی لیے تو غلامی کی "میّت" قبر کے لیے بجائے خود ایک عذاب ہے۔

علامہ نے غلامی اور حریت کو ایک وسیع تناظر میں لیا ہے، جس کا اظہار " ارمغانِ حجاز " کی طویل نظم "ملازادہ ضیغم لولابی کشمیری کا بیاض" کے حصہ نمبر پانچ میں بہترین انداز میں پایا جاتا ہے، نظم کا مذکورہ حصہ تین شعروں پر مشتمل ہے، تیسرے شعر میں اسرافیلؑ کا کردار آخری مرتبہ (اقبال کی اردو نظموں میں) اِس انداز میں آیا ہے کہ اس میں ایک تکمیلی شان پائی جاتی ہے، شعر یوں ہے:

فطرت کے تقاضوں سے ہوا حشر پہ مجبور
وہ مُردہ کہ تھا بانگِ سرافیلؑ کا محتاج
(ارمغانِ حجاز ص:۶۴۸)

ہر چند کہ مذکورہ شعر میں اقبال نے کشمیری مسلمانوں کے اندر : ۱۹۳۰ءمیں پیدا ہونے والی اس تحریک کی طرف بھی اشارہ کیا، جس کی بنا پر ان میں باطل کے مقابلے میں آنے کا جوش پیدا ہوا تھا، لیکن وسیع تناظر میں دیکھنے سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ تمام بنی نوعِ انسانوں اور خصوصاً ملتِ اسلامیہ کے محکوم و مظلوم افراد کے لیے "حریتِ کاملہ" کے متقاضی تھے، علامہ نے اس قسم کی "حریتِ کاملہ " کی تین جہتیں بیان کی ہیں: پہلی جہت "حریتِ نفس " ہے، جس سے مراد کسی انسان کو کسی انسان پر حکومت کا حق حاصل نہیں، اسلام کی رُو سے کوئی انسان دوسرے انسان کو غلام نہیں بنا سکتا، دوسری جہت "حریتِ عقل " ہے، جس سے مراد انسان کو علم حاصل کرنے کی آزادی حاصل ہے، جب انسان کسی معاملے میں اپنی عقل سے کام لیتا ہے تو وہ کبھی تعقل کرتا ہے، کبھی تفکر، کبھی تدبر اور کبھی تفقہ، تیسری جہت " حریتِ ضمیر " کی ہے، "حریتِ ضمیر " سے مراد یہ ہے کہ ہر انسان کو آزادی حاصل ہے کہ وہ اپنی سمجھ سے کام لے کر جو راستہ اپنے لیے مناسب سمجھے، اختیار کرلے، کوئی شخص اس کو اس کی مرضی کے خلاف کسی بات پر ایمان لانے کے لیے مجبور نہیں کر سکتا"۔[۲]

دیکھا جائے تو آزادی کی مذکورہ بالا تینوں جہتیں فطری ہونے کے ساتھ آفاقی حیثیت کی حامل بھی ہیں،جس میں سب سے فکر انگیز نقطہ یہ ہے کہ یہ تینوں خوبیاں دینِ اسلام کے علاوہ دُنیا کے کسی مذہب یا نظامِ فکر میں نہیں پائی جاتیں، اِسی لیے دینِ اسلام انسانی فطرت کے عین مطابق ہے، اگر انسان اپنی فطرت پر قائم نہ رہے تو وہ یقیناً غلام ہوگا، یا تو دوسرے انسانوں یا پھر فطرت کا اور غلام بھی وہ غلام جو مُردے سے بھی بد تر ہو اور مُردہ ایسا مُردہ جس کو صورِ اسرافیلؑ بھی دوبارہ نہ جِلا سکے، لہٰذا اسرافیلؑ کے انقلاب انگیز کرداری خوبیوں سے فائدہ لیتے ہوئے علامہ نے مسلمانوں کا مورال بلند کرنے کے علاوہ، مومن کا حقیقی تشخص بیان کرنے اور ملتِ اسلامیہ کے افراد میں اسی مومن کی حقیقی اوصاف پیدا کرکے باطل قوتوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہونے کی ترغیب دی ہے، اِسی لیے تو اُنھوں نے شعر کا پیمانہ بانگِ اسرافیل ہی مقرر کرتے ہوئے اپنا فیصلہ سنا دیا کہ:

وہ شعر کہ پیغامِ حیاتِ ابدی ہے
یا نغمہ جبریلؑ ہے یا بانگِ سرافیلؑ
(ضربِ کلیم ص:۷۵۷)

اسلامی اور قرآنی فلسفہ و فکر کو مآخذ ٹھہراتے ہوئے اقبال نے اپنے افکار کی تشکیل و تعمیر میں جبرائیلؑ کے کردار اوصاف سے بھی خوب فائدہ لیا، ان کی نظموں میں جبرائیلؑ کا کردار "بانگِ درا"کی نظم "خضرِ راہ" ،"بالِ جبریل " کی نظموں "مسجدِ قرطبہ، ساقی نامہ، جبریل و ابلیس، آزادی افکار" اور "ضربِ کلیم " کی نظموں "مردِ مسلماں، سلطان ٹیپو کی وصیت، شعر اور رقص و موسیقی" میں مختلف مقامات پر آیا ہے، جن میں علامہ نے مذکورہ کردار کے پردے میں زندگی بطور جہدِ مسلسل، جہدِ مسلسل کی برکات، عشق کی عظمت، زندگی کی ماہیت، تخلیقِ فن میں پختگی و دوام کے لیے عشق کی ضرورت، تصوّرِ شعر اور مومن کے حقیقی تشخص جیسے متنوع موضوعات کو اپنے فلسفہ و شعر کے رنگین لبادے میں پیش کیا ہے، جبرائیلؑ کا کردار اُن کی نظموں میں پہلی دفعہ " بانگِ درا " کی معروف نظم "خضرِ راہ" میں "خضرؑ" سے علامہ کے اِس سوال کہ:

چھوڑ کر آبادیاں رہتا ہے تو صحرا نورد
زندگی تیری ہے بے روز و شب و فردا و دوش
(بانگِ درا
ص:۳۶۹)

کے جواب میں آیا ہے، علامہ کے استفسار پر خضرؑ جواب دیتا ہے کہ میری صحرا نوردی پر متعجب نہ ہو، کیونکہ یہ تگا پوئے دما دم تو زندگی کی دلیل ہے، یہ قافلوں کا محوِ سفر رہنا، فضائے دشت میں بانگِ رحیل کی گونجیں، بے برگ و ساماں آہو ھا رات کے ٹیلے پہ بے پرواہ خرام، نظامِ شمسی کی مسلسل حرکت، سورج کے طلوع و غروب سے ابراہیمؑ کی خُدا شناسی، غرض زندگی میں مسلسل حرکت اور جستجو و تڑپ سے انسان پر زندگی کے حقیقی مفاہیم عیاں ہوتے ہیں، اِسی حرکت و عمل کے دوران "اخترِ سیمابِ پا" کی نمود کو علامہ نے "بامِ گردوں پر جبینِ جبریلؑ" کے عیاں ہونے سے تشبیہ دی ہے۔ بقول علامہ:

وہ نمودِ اختر سیماب پا ہنگامِ صبح
یا نمایاں بامِ گردوں سے جبینِ جبریلؑ
(بانگِ درا
ص:۳۷۱)

جدید نظریات کے مطابق کائنات ایک وسیع میکانیاتی نظام ہے، جس کی بنیاد اصولِ حرکت پر ہے، علامہ کے نزدیک زندگی "مسلسل حرکت" کا دوسرا نام ہے --- زندگی مسلسل حرکت اور آزاد قوت کی شکل میں کمال کی جستجو میں رواں ہے، کائنات اِسی مضطرب قوت کے ذوقِ کمال کا تراشیدہ ایک پیکر ہے۔کائنات میں مسلسل شکست و ریخت اور تبدیلی اِسی لیے ہوتی رہتی ہے کہ یہ بھی ارتقا کی منزلوں سے گزر رہی ہے، زندگی ایک ترقی پذیر اور جاذب حرکت ہے، جو اپنے راستے کی تمام رُکاوٹوں کو اپنے میں سموکر دُور کرتی ہے --- ایک تمدنی تحریک کی حیثیت سے اسلام کائنات کے ساکن تصوّر کی نفی اور متحرک تصوّر کا اثبات کرتا ہے۔"۔(۳)

زندگی ایک متحرک ملکوتی قوت ہے، جب اس قوت کو اپنے وجود ،اپنی انفرادیت اور عظمت کا احساس ہوتا ہے تو یہ " خودی " کہلاتی ہے،حیات اور خودی در اصل ایک ہی سکے کے دو رُخ ہیں، اصل نظامِ عالم حیات ہے، حیات کیا ہے، یہ فرد ہی کا دوسرا نام ہے اور فرد کی اعلیٰ ترین صورت جو اس وقت تک متحقق ہو سکی ہے خودی ہے، مادہ حیات کی راہ میں سب سے بڑی رُکاوٹ ہے لیکن وہ کوئی بُری چیز نہیں،بلکہ حیات کے حق میں مفید ہے، کیوں کہ اس کی بدولت حیات کو اپنی مخفی قوتوں کے بروئے کار لانے کا موقع ملتا ہے۔"۔(۴)اور عشق کی بدولت خودی میں اس درجہ کاملیت آ جاتی ہے کہ وہ زمان و مکان کو مسخر کرنے کے علاوہ "انفس و آفاق" کو زنجیر پہنا لیتی ہے، اِسی لیے تو علامہ نے کہا:

کہیں اس کی طاقت سے کہسار چُور
کہیں اس کے پھندے میں جبریلؑ و حور
(بالِ جبریل ص:۵۵۶)

علامہ کے تصوّرِ عشق پر اگر نظر دوڑائی جائے تو ان کے نزدیک عشق اس گرمیشوق اور سوزِ آرزو کا نام ہے جو کسی مقصد کی لگن میں ہو، عشق وہ نور ہے جو ایک ذرہ بے مایہ کو پروانگی سکھاتا ہے اور زندگی کی شبِ تاریک کو فروزاں کر دیتا ہے، عشق ایسا اصلِ حیات ہے جس پر موت بھی حرام ہے، عشق جس تخلیق کو چُھو لے ، اُس کو عظمتِ دوام عطا کر دیتا ہے۔ " عشق زمانِ مسلسل اور جہاتِ ستہ سے ماورا ہوتا ہے اس لیے وہ انسانی تخلیقات میں بھی ابدیت پیدا کر لیتا ہے، زمانہ ہر چند بمنزلہسیل ہے لیکن عشق اس سے بڑھ کر سیلِ بے کراں ہے، اِس لیے زمانہ اُسے مٹا نہیں سکتا، اِن تمام صفات کی بنا پر ہی تو علامہ نے کہا:

عشق دمِ جبرئیل، عشق دلِ مصطفٰیؐ
عشق خُدا کا رسول، عشق خُدا کا کلام
(بالِ جبریل ص:519)

عشق شریعتِ اسلامیہ کا سب سے بڑ شارح اور محافظ ہے اور مجاہدوں کا سردار ہے، اِس حوالے سے یوسف سلیم چشتی لکھتے ہیں:

> "عشق کوئی مادی یا دُنیاوی یعنی کثیف شے نہیں ہے، بلکہ پاکیزہ اور رُوحانی بلکہ آسمانی جوہر ہے، اِس حقیقت کو اقبال نے دمِ جبرئیل اور دلِ مصطفٰیؐ سے واضح کیا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ عشق کی عظمت ، رفعت، پاکیزگی، طہارت اور رُوحانیت کے اظہار کے لیے اِن دو ناموں سے بڑھ کر کوئی نام ذہن میں نہیں آ سکتا --- یعنی خُدا کے رسول سے مُراد دلِ مصطفٰی ہے، اور خُدا کے کلام سے مُراد دمِ جبرئیل ہے۔"(۵)

اب عاشق کے لیے سب سے اہم اور مناسب بلکہ ضروری مقام کون سا ہے، وہ بھی علامہ نے بتایا ہے، اِسی مرحلہ جستجو اور سلسلہ ذوق و شوق کو بڑھاتے ہوئے اپنی معروف نظم " ذوق و شوق " میں مذکورہ مقام کا ذکر اُنھوں نے فصیح و بلیغ انداز میں یوں کیا ہے کہ " حوالی یثرب " میں صبح کا دل کش سماں ہے، چشمہآفتاب سے نور کی ندیاں رواں ہیں،سحابِ شب، سرخ و کبود بدلیاں چھوڑ گیا جس نے کوہِ اضم کو رنگ برنگ طیلسائیں پہنائیں اور گرد سے پاک ہوا سے سارے برگِ نخیل دُھل گئے، اِسی عالم میں "عالمِ غیب" سے صدا آتی ہے:

آئی صدائے جبرئیل تیرا مقام ہے یہی
اہلِ فراق کے لیے عیشِ دوام ہے یہی
(بال جبریل: 538)

یوں تو یہ ساری نظم (ذوق و شوق) عشقِ رسول میں ڈوبی ہوئی ہے، لیکن علامہ نے صدائے جبرئیل سے جو تاثر پیش کرنے کی کوشش کی ہے، اس سے ایک حقیقت پذیر نکتہ یہ اخذ ہوتا ہے کہ عشقِ رسول ہی سے نہ صرف انسان اپنی خودی کی تکمیل کر سکتا ہے بلکہ زماں و مکاں کو مسخر کر سکتا ہے، لیکن اس کے لیے عقل کی نہیں، عشق کی ضرورت ہے، اِسی لیے تو علامہ نے واضح انداز میں کہا:

صبحِ ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیلؑ نے
جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول
(ضرب کلیم: ۶۹۶)

اقبال کے مطابق اگر عشق کے خاص فارمیٹ کے مطابق انسان اپنی خودی کو تکمیل کے ان مراحل تک پہنچا دے تو یہ تمام نوعِ انسانی کے لیے خیر ہے، بر عکس اس کے، خالص مادی، ملحد اور "بے دین فلسفہ و دانش" کے تحت حیات و کائنات کی گتھیاں سُلجھانے کی کوشش، بجز تباہی کے کچھ نہیں، اِس لیے کہ:

ہر سینہ نشیمن نہیں جبریلِ امیں کا
ہر فکر نہیں طائرِ فردوس کا صیّاد
(بالِ جبریل ص:608)

علامہ نے جبرائیل ؑ کے کردار کے استعمال سے ایک اور معنی آفریں جہت جو تراشی ہے وہ قابلِ داد ہے اور جو یقیناً عہدِ اقبال کے علاوہ آج بھی ملتِ اسلامیہ کے کس مپرس ، بے دست و پا اور احساسِ کم تری میں مبتلا لوگوں کے لیے بمنزلہاکسیر ہے، اُنھوں نے اپنی نظم " مردِ مسلماں " میں مومن کے حقیقی تشخص کو بیان کرتے ہوئے دعویٰ کیا کہ مومن ہر لحظہ نئی آن و نئی شان کے ساتھ نمودار ہوتا ہے، "قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت" (جیسی خوبیوں سے متصف) ہونے کے علاوہ گفتار اور کردار میں مجسم قرآن ہوتا ہے، اِسی لیے تو دُنیا و آخرت میں میزان ہوتا ہے کیوں کہ قدرت کے مقاصد کا معیار اُن کے ارادوں پر منحصرہوتا ہے، حتیٰ کہ وہ ایسا شبنم ہوتا ہے جس سے جگرِ لالہ کو ٹھنڈک ملے بلکہ دریاؤں کے دل جس سے دہل جائینوہ طوفان ہوتا ہے،اِسی لیے وہ دُنیا میں بھی:

ہمسایہ جبریلِ امیں بندہ خاکی
ہے اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشاں
(ضربِ کلیم ص:682)

کے مصداق خلیفہءخدا ہوتا ہے علامہ کے درج بالا بیانات اور شعر "خالص نو آبادیاتی" نظامِ فکر پر یقیناً گہری چوٹ ہے۔

اقبال کے خلاف ایک اور افواہ جو بعد میں پروپیگنڈے کی صورت میں پھیلتی ہوئی باقاعدہ ایک نظریے (جو اصل میں من گھڑت تھا) کی صورت اختیار کر گئی اور وہ یہ کہ علامہ شاعری کے سخت خلاف تھے،اِس دعوے میں ہر چند جزوی صداقتیں بھی پائی جاتی ہیں، جس کی بنیادیں خود اُن کی شاعری کے علاوہ اُن کے مکتوبات میں بھی ملتی ہیں، لیکن ذرا غور اور جانچ پرکھ کے بعد باآسانی معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کس قسم کی شاعری کے خلاف تھے، جبرائیل ؑ کے کردار سے اُنھوں نے نہ صرف "معیارِ شعر" مقرر کیا بلکہ شاعری کی غیر معمولی اثرات کا اعلان بھی کیا، بطورِ سند اُن کے دو شعر درج کیے جاتے ہیں:

وہ شعر کہ پیغامِ حیاتِ ابدی ہے
یا نغمہ جبریلؑ ہے یا بانگِ سرافیلؑ
اور

شعر سے روشن ہے جانِ جبرئیلؑ و اہرمن
رقص و موسیقی سے ہے سوز و سرورِ انجمن
(ضربِ کلیم ص:578)

موخر الذکر شعر " ضربِ کلیم " کی نظم " رقص و موسیقی " کا پہلا شعر ہے، مذکورہ نظم میں علامہ نے شاعری، موسیقی اور رقص کے باہمی ربط کے علاوہ تینوں کی اہمیت بھی بیان کی ہے، اُن کے مطابق "شاعری" جبریلؑ و اہرمن یعنی نیک اور بُرے ہر قسم کے لوگوں کو متاثر کرتی ہے، جب کہ "رقص و موسیقی" محفل میں سوز و گداز کے علاوہ وجد و محویت پیدا کرتے ہیں، اگر موسیقی کو انسان کی مجسم شکل دی جائے تو شاعری اس کے لیے رُوح اور رقص اس کے لیے جسم کی حیثیت رکھتا ہے، یعنی شاعری موسیقی کا باطنی اور رقص ظاہری پہلو ہے،البتہ یہ بات ذہن نشین رہے کہ " وہ جبریلؑ کے وجود سے وابستہ تقدیس اور تنویر کے عناصر کی ستائش کرتے ہیں، اور اپنی شاعری کو " دمِ جبریلؑ " سے وابستہ کرنے کے تمنائی بھی محسوس ہوتے ہیں۔"(۶) اور رقص کے ضمن میں وہ "رقصِ رُوح" کے متقاضی ہیں، الغرض جبریلؑ کے کردار سے اقبال کی غیر معمولی دل چسپی کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ اُنھوں نے اپنے دوسرے شاہ کار مجموعے کا نام " بالِ جبریل " رکھا۔

اسرافیلؑ اور جبرائیلؑ کے علاوہ اقبال کی نظموں میں " بالِ جبریل " کی نظم " ہارون کی آخری نصیحت " اور " ضربِ کلیم " کی نظم "مدرسہ " میں ایک، ایک دفعہ عزرائیلؑ جیسے جلالی فرشتے کا ذکر بھی آیا ہے، لیکن عزرائیلؑ کے نام کی بجائے اس کے لقب " ملک الموت " کے استعمال سے علامہ نے دو مختلف اسالیب میں اپنے فکری جواہر ریزے چُنے، اوّل الذکر شعر:

پوشیدہ ہے کافر کی نظر سے ملک الموت
لیکن نہیں پوشیدہ مسلماں کی نظر سے
(بالِ جبریل ص:607)

میں تو سیدھا سادہ وہی موضوع ہے جس پر تمام مسلمانوں کا ایمان اور یقین ہے، جب کہ دوسرے شعر

عصرِ حاضر ملک الموت ہے تیرا جس نے
قبض کی رُوح تیری، دے کے تجھے فکرِ معاش
(ضربِ کلیم ص:705)

میں علامہ نے ایک آفاقی موضوع چھیڑا ہے، جو ایک ایسا موضوع ہے جس نے عصرِ حاضر کے انسان کو ذہنی انتشار، مایوسی اور خستگی کا شکار بنا دیا ہے، عصرِ حاضر علامہ کی خاص اصطلاح ہے جس کی توضیح و تشریح کرتے ہوئے محمد اکرم اکرام لکھتے ہیں:

عصرِ حاضر سے یہاں مراد علامہ اقبال کا زمانہحیات ہے --- علامہ اقبال کا زمانہ مشرق کے انحطاط و زوال اور مغربی طاقتوں کے اسلامی ممالک اور ان کی تہذیب و تمدن پر تباہ کُن حملوں اور تسلط کا زمانہ ہے--- مغربی تہذیب کی طلسماتی روشنی نے ہماری بصیرت سلب کر لی، ہم مذہب، اخلاق، تہذیب، تمدن، صداقت، شجاعت، امانت، یقین، اخلاص اور محبت و مروت کے سب درس فراموش کر چُکے ---، اقبال در حقیقت عصرِ حاضر یعنی عصرِ مادیت کا مکمل ردِ عمل ہیں ---، عصرِ حاضر کی تعلیم و تربیت کا ایک رُخ اور ایک ہدف ہے اور وہ ہے فکرِ معاش، اِس فکرِ معاش نے مسلمانوں کو نہ دُنیا کا چھوڑا نہ آخرت کا۔"(۷)

اقبال نے مغرب کی مذکورہ (منفی) فکری یلغار کا رد اپنی نظموں (شاعری) میں پیش کیا کیوں کہ وہ اکثر کہا کرتے تھے " میں نے اپنی عمر کا نصف حصہ اسلامی قومیت اور ملت کے اسلامی نقطہنظر کی تشریح و توضیح میں گزارا ہے، محض اِس وجہ سے کہ مجھ کوایشیا کے لیے اور خصوصاً اسلام کے لیے فرنگی سیاست کا یہ نظریہ (خالص مادیت) ایک خطرہعظیم محسوس ہوتا ہے۔"(۸) میں نوجوانوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ مادیت سے بچیں، مذہب بے حدضروری چیز ہے، مذہب عرفان و ایقان کا نام ہے۔"(۹) علامہ نے عصرِ حاضر کے فتنوں سے بچنے اور

اس کے چیلنجز کا مقابلہ مثبت انداز میں کرنے اور اس پر فتح پانے کے لیے مذہب کی قبا اوڑھنے کا مشورہ بار بار دیا ہے۔ لہٰذا عزرائیلؑ (ملک الموت) کے کردار کے استعارے میں ان کے مذکورہ نظریہ (کا بیان) یقینا معنی آفرین زاویوں کا حامل ہے۔

مذکورہ ملائکہ مقربین کے علاوہ " جوابِ شکوہ " (بانگِ درا) کے ایک شعر میں " رضوان " (داروغہجنت) کا کردار مستعمل ہے، " جوابِ شکوہ " کے تمہیدی بندوں میں جب علامہ نے اپنے ہنگامہ خیز شکوے سے پیرِ گردوں، سیاروں، چاند اور کہکشاوں تک کو انگشت بد نداں کر دیا، تو اسی عالم میں ایک رضوان ہی تھا جس نے اس (انسان کے) آواز و انداز کو پہچان لیا، علامہ نے اِس کیفیت کو شعر کے لباس میں " جوابِ شکوہ " کے دوسرے بند کے آخری شعر میں یوں بیان کیا:

کچھ جو سمجھا مرے شکوے کو تو رضواں سمجھا
مجھے جنت سے نکالا ہوا انساں سمجھا
(بانگِ درا ص:295)

اقبال کی نظموں میں مذکورہ کردار کے استعمال سے کوئی بڑی فکری جہت تو عیاں نہیں، البتہ " جوابِ شکوہ " کا جو مقام ہے وہ کسی سے پنہاں نہیں، اس کے علاوہ فرشتہ، قدسی اور ملائک جسے اسمائے صفت اور تراکیب اقبال کی نظموں میں متعدد مقامات پر پائے جاتے ہیں، البتہ جہاں تک اسرافیلؑ، جبرائیلؑ اور عزرائیلؑ کا تعلق ہے تو بقول بصیرہ عنبرین:

"کلامِ اقبال میں حضرت جبریلؑ اور اسرافیلؑ جیسے مقرب فرشتوں کی تلمیحیں باالترتیب ارفعیت و عظمت اور تحرک و تقدس کے معنوں کی ترسیل کے لیے مستعمل ہیں --- اِس طرح اقبال کے ہاں مقرب فرشتے اسرافیلؑ جو ہنگامِ رست خیز میں صور پھونکنے پر مامور ہے، کی تلمیح سر تا سر ایسے انقلاب کی علامت کے طور پر آئی ہے جو قلبِ ماہیت کرتا ہے، یہ انقلاب یا تو وہ اپنی شاعری کے ذریعے لانے کے متمنی ہیں، یا پھر مردِ مومن کے دل کو یہ حشر برپا کرنے پر مجبور پاتے ہیں۔"(10)

حوالہ جات:

(۱) علامہ محمد اقبال، *کلیات اقبال*، فضل سنز کراچی، اشاعت ہفتم، 2013
(۲) یوسف سلیم، چشتی،*شرح ضربِ کلیم* ، لاہور، مکتبہ تعمیرِ انسانیت، س ن ، ص:203
(۳) ظفر خان، مضمون، حرکت، مشمولہ:*دائرہ معارفِ اقبال*، بہ اہتمام شعبہاقبالیات، پنجاب یونی ورسٹی، اورینٹل کالج لاہور،:۲۰۱۰ئ، جلد اول، ص:۳۷۱
(۴) یوسف سلیم، چشتی، *شرحِ بالِ جبریل* ، لاہور، مکتبہ تعمیرِ انسانیت، س ن ، ص:۷۱۵
(۵) ایضاً
(۶) ڈاکٹربصیرہ عنبرین، *محسناتِ شعرِ اقبال*، بزم اقبال لاہور، 2010ء ص:۶۴۲
(۷) ڈاکٹرمحمد اکرم اکرام، مضمون، عصرِ حاضر، مشمولہ: *دائرہ معارفِ اقبال*، جلد :۳، ص:۴۸
(۸) علامہ محمد اقبال، *انوارِ اقبال*، مرتبہ بشیر احمد ڈار، اقبال اکادمی کراچی، 1967ء ، ص:۸۶۱
(۹) علامہ محمد اقبال، *گفتارِ اقبال*، مرتب، محمدافضل رفیق،ادارہتحقیقاتِ پاکستان، لاہور، دانش گاہ پنجاب لاہور:۹۶۹۱ءص:۵۵۲
(۱۰) ڈاکٹر بصیرہ عنبرین، *محسناتِ شعرِ اقبال*، ص:۴۷۲